**امیر مینائی**

* 1829-1900
* لکھنؤ1

داغ دہلوی کے ہم عصر۔ اپنی غزل ’ سرکتی جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ‘ کے لئے مشہور ہیں

# امیر لاکھ ادھر سے ادھر زمانہ ہوا

امیر لاکھ ادھر سے ادھر زمانہ ہوا

وہ بت وفا پہ نہ آیا میں بے وفا نہ ہوا

سر نیاز کو تیرا ہی آستانہ ہوا

شراب خانہ ہوا یا قمار خانہ ہوا

ہوا فروغ جو مجھ کو غم زمانہ ہوا

پڑا جو داغ جگر میں چراغ خانہ ہوا

امید جا کے نہیں اس گلی سے آنے کی

بہ رنگ عمر مرا نامہ بر روانہ ہوا

ہزار شکر نہ ضائع ہوئی مری کھیتی

کہ برق و سیل میں تقسیم دانہ دانہ ہوا

قدم حضور کے آئے مرے نصیب کھلے

جواب قصر سلیماں غریب خانہ ہوا

ترے جمال نے زہرہ کو دور دکھلایا

ترے جلال سے مریخ کا زمانہ ہوا

کوئی گیا در جاناں پہ ہم ہوئے پامال

ہمارا سر نہ ہوا سنگ آستانہ ہوا

فروغ دل کا سبب ہو گئی بجھی جو ہوس

شرار کشتہ سے روشن چراغ خانہ ہوا

جب آئی جوش پہ میرے کریم کی رحمت

گرا جو آنکھ سے آنسو در یگانہ ہوا

حسد سے زہر تن آسماں میں پھیل گیا

جو اپنی کشت میں سرسبز کوئی دانہ ہوا

چنے مہینوں ہی تنکے غریب بلبل نے

مگر نصیب نہ دو روز آشیانہ ہوا

خیال زلف میں چھائی یہ تیرگی شب ہجر

کہ خال چہرۂ زخمی چراغ خانہ ہوا

یہ جوش گریہ ہوا میرے صید ہونے پر

کہ چشم دام کے آنسو سے سبز دانہ ہوا

نہ پوچھ ناز و نیاز اس کے میرے کب سے ہیں

یہ حسن و عشق تو اب ہے اسے زمانہ ہوا

اٹھائے صدمے پہ صدمے تو آبرو پائی

امیر ٹوٹ کے دل گوہر یگانہ ہوا

# پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا

پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا

بیکار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا

ٹھہریں کبھی کجوں میں نہ دم بھر بھی راست رو

آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا

خلعت پہن کے آنے کی تھی گھر میں آرزو

یہ حوصلہ بھی گور و کفن سے نکل گیا

پہلو میں میرے دل کو نہ اے درد کر تلاش

مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا

مرغان باغ تم کو مبارک ہو سیر گل

کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

کیا رنگ تیری زلف کی بو نے اڑا دیا

کافور ہو کے مشک ختن سے نکل گیا

پیاسا ہوں اس قدر کہ مرا دل جو گر پڑا

پانی ابل کے چاہ ذقن سے نکل گیا

سارا جہان نام کے پیچھے تباہ ہے

انسان کیا عقیق یمن سے نکل گیا

کانٹوں نے بھی نہ دامن گلچیں پکڑ لیا

بلبل کو ذبح کر کے چمن سے نکل گیا

کیا شوق تھا جو یاد سگ یار نے کیا

ہر استخواں تڑپ کے بدن سے نکل گیا

اے سبزہ رنگ خط بھی بنا اب تو بوسہ دے

بیگانہ تھا جو سبزہ چمن سے نکل گیا

منظور عشق کو جو ہوا اوج حسن پر

قمری کا نالہ سرو چمن سے نکل گیا

مد نظر رہی ہمیں ایسی رضائے دوست

کاٹی زباں جو شکوہ دہن سے نکل گیا

طاؤس نے دکھائے جو اپنے بدن کے داغ

روتا ہوا سحاب چمن سے نکل گیا

صحرا میں جب ہوئی مجھے خوش چشموں کی تلاش

کوسوں میں آہوان ختن سے نکل گیا

خنجر کھنچا جو میان سے چمکا میان صف

جوہر کھلے جو مرد وطن سے نکل گیا

میں شعر پڑھ کے بزم سے کیا اٹھ گیا امیرؔ

بلبل چہک کے صحن چمن سے نکل گیا

# جب سے باندھا ہے تصور اس رخ پر نور کا

جب سے باندھا ہے تصور اس رخ پر نور کا

سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغ طور کا

بخت واژوں سے جلے کیوں دل نہ مجھ محرور کا

مرہم کافور سے منہ آ گیا ناسور کا

اس قدر مشتاق ہوں زاہد خدا کے نور کا

بت بھی بنوایا کبھی میں نے تو سنگ طور کا

تجھ کو لائے گھر میں جنت کو جلایا رشک سے

ہم بغل تجھ سے ہوئے پہلو دبایا حور کا

گور کافر کس لیے ہے تیرہ و تار اس قدر

پڑ گیا سایہ مگر میری شب دیجور کا

حسن یوسف اور تیرے حسن میں اتنا ہے فرق

چوٹ یہ نزدیک کی ہے وار تھا وہ دور کا

قصر تن بگڑا کسی کا گورکن کی بن پڑی

گھر کسی کا گر پڑا گھر بن گیا مزدور کا

چہرۂ جاناں سے شرما کر چھپایا خلد میں

خامۂ تقدیر نے کھینچا جو نقشہ حور کا

حاجت مشاطہ کیا رخسار روشن کے لیے

دیکھ لو گل کاٹتا ہے کون شمع طور کا

زلف و روئے یار سے نیرنگ قدرت ہے عیاں

مہر کے پنجے میں ہے دامن شب دیجور کا

خاکساری کر جو ہو منظور آنکھوں میں جگہ

خاک ہو کر سرمہ بن جاتا ہے پتھر طور کا

غافلوں کے کان کب کھلتے ہیں سن کر شور حشر

سونے والوں کو جگا سکتا نہیں غل دور کا

پوچھ لینا سب وطن کا حال اے اہل عدم

بیٹھ لینے دو ذرا آتا ہوں اٹھا دور کا

عجز کرتے ہیں عدوئے جان سے بھی خاصان حق

جھک گیا سر آگے پائے دار پر منصور کا

موت کیا آئی تپ فرقت سے صحت ہو گئی

دم نکلنے سے بدن ٹھنڈا ہوا رنجور کا

جاتے ہیں مے خانۂ عالم سے ہم سوئے عدم

کہہ دو ازخود رفتگی سے ہے ارادہ دور کا

موذیوں کو حادثوں سے دہر کے کیا خوف ہے

بارش باراں سے گھر گرتا نہیں زنبور کا

چشم ساغر بے سبب ہر دم لہو روتی نہیں

مغبچوں سے ساقیا دل پھٹ گیا انگور کا

جاتے ہیں مے خانۂ عالم سے ہم سوئے عدم

کہہ دو ازخود رفتگی سے ہے ارادہ دور کا

کی نظر جس پر کدورت سے رہا خاموش وہ

ہے اثر گرد نگاہ یار میں سیندور کا

جلوۂ معشوق ہر جا ہے بصیرت ہو اگر

کرمک شب تاب میں عالم ہے شمع طور کا

مر کے یاران عدم کے پاس پہنچوں گا امیرؔ

چلتے چلتے جان جائے گی سفر ہے دور کا

# صاف کہتے ہو مگر کچھ نہیں کھلتا کہنا

صاف کہتے ہو مگر کچھ نہیں کھلتا کہنا

بات کہنا بھی تمہارا ہے معما کہنا

رو کے اس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا

ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرف تمنا کہنا

مثل مکتوب نہ کہنے میں ہے کیا کیا کہنا

نہ مری طرز خموشی نہ کسی کا کہنا

اور تھوڑی سی شب وصل بڑھا دے یارب

صبح نزدیک ہمیں ان سے ہے کیا کیا کہنا

پھاڑ کھاتا ہے جو غیروں کو جھپٹ کر سگ یار

میں یہ کہتا ہوں مرے شیر ترا کیا کہنا

ہر بن موئے مژہ میں ہیں یہاں سو طوفاں

عین غفلت ہے مری آنکھ کو دریا کہنا

وصف رخ میں جو سنے شعر وہ ہنس کر بولے

شعر ہیں نور کے ہے نور کا تیرا کہنا

لا سکوگے نہ ذرا جلوۂ دیدار کی تاب

ارنی منہ سے نہ اے حضرت موسیٰ کہنا

کر لیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے منہ سے

اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا

خاک میں ضد سے ملاؤ نہ مرے آنسو کو

سچے موتی کو مناسب نہیں جھوٹا کہنا

کیسے ناداں ہیں جو اچھوں کو برا کہتے ہیں

ہو برا بھی تو اسے چاہئے اچھا کہنا

دم آخر تو بتو یاد خدا کرنے دو

زندگی بھر تو کیا میں نے تمہارا کہنا

پڑھتے ہیں دیکھ کے اس بت کو فرشتے بھی درود

مرحبا صل علیٰ صل علیٰ کیا کہنا

اے بتو تم جو ادا آ کے کرو مسجد میں

لب محراب کہے نام خدا کیا کہنا

ان حسینوں کی جو تعریف کرو چڑھتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ برا ہے انہیں اچھا کہنا

شوق کعبے لیے جاتا ہے ہوس جانب دیر

میرے اللہ بجا لاؤں میں کس کا کہنا

ساری محفل کو اشاروں میں لٹا دو اے جان

سیکھ لو چشم سخن گو سے لطیفہ کہنا

گھٹتے گھٹتے میں رہا عشق کمر میں آدھا

جامۂ تن کو مرے چاہئے نیما کہنا

میں تو آنکھوں سے بجا لاتا ہوں ارشاد حضور

آپ سنتے نہیں کانوں سے بھی میرا کہنا

چستیٔ طبع سے استاد کا ہے قول امیرؔ

ہو زمیں سست مگر چاہئے اچھا کہنا

# فراق یار نے بے چین مجھ کو رات بھر رکھا

فراق یار نے بے چین مجھ کو رات بھر رکھا

کبھی تکیہ ادھر رکھا کبھی تکیہ ادھر رکھا

شکست دل کا باقی ہم نے غربت میں اثر رکھا

لکھا اہل وطن کو خط تو اک گوشہ کتر رکھا

برابر آئینے کے بھی نہ سمجھے قدر وہ دل کی

اسے زیر قدم رکھا اسے پیش نظر رکھا

مٹائے دیدہ و دل دونوں میرے اشک خونیں نے

عجب یہ طفل ابتر تھا نہ گھر رکھا نہ در رکھا

تمہارے سنگ در کا ایک ٹکڑا بھی جو ہاتھ آیا

عزیز ایسا کیا مر کر اسے چھاتی پہ دھر رکھا

جناں میں ساتھ اپنے کیوں نہ لے جاؤں گا ناصح کو

سلوک ایسا ہی میرے ساتھ ہے حضرت نے کر رکھا

نہ کی کس نے سفارش میری وقت قتل قاتل سے

کماں نے ہاتھ جوڑے تیغ نے قدموں پہ سر رکھا

غضب برسے وہ میرے آتے ہی معلوم ہوتا ہے

جگہ خالی جو پائی یار کو غیروں نے بھر رکھا

بڑا احساں ہے میرے سر پہ اس کی لغزش پا کا

کہ اس نے بے تحاشا ہاتھ میرے دوش پر رکھا

زمیں میں دانۂ گندم صدف میں ہم ہوے گوہر

ہمارے عجز نے ہر معرکہ میں ہم کو در رکھا

ترے ہر نقش پا کو رہ گزر میں سجدہ گہ سمجھے

جہاں تو نے قدم رکھا وہاں میں نے بھی سر رکھا

امیر اچھا شگون مے کیا ساقی کی فرقت میں

جو برسا ابر رحمت جائے مے شیشوں میں بھر رکھا

# کہا جو میں نے کہ یوسف کو یہ حجاب نہ تھا

کہا جو میں نے کہ یوسف کو یہ حجاب نہ تھا

تو ہنس کے بولے وہ منہ قابل نقاب نہ تھا

شب وصال بھی وہ شوخ بے حجاب نہ تھا

نقاب الٹ کے بھی دیکھا تو بے نقاب نہ تھا

لپٹ کے چوم لیا منہ مٹا دیا ان کا

نہیں کا ان کے سوا اس کے کچھ جواب نہ تھا

مرے جنازے پہ اب آتے شرم آتی ہے

حلال کرنے کو بیٹھے تھے جب حجاب نہ تھا

نصیب جاگ اٹھے سو گئے جو پاؤں مرے

تمہارے کوچے سے بہتر مقام خواب نہ تھا

غضب کیا کہ اسے تو نے محتسب توڑا

ارے یہ دل تھا مرا شیشۂ شراب نہ تھا

زمانہ وصل میں لیتا ہے کروٹیں کیا کیا

فراق یار کے دن ایک انقلاب نہ تھا

تمہیں نے قتل کیا ہے مجھے جو تنتے ہو

اکیلے تھے ملک الموت ہم رکاب نہ تھا

دعائے توبہ بھی ہم نے پڑھی تو مے پی کر

مزہ ہی ہم کو کسی شے کا بے شراب نہ تھا

میں روئے یار کا مشتاق ہو کے آیہ تھا

ترے جمال کا شیدا تو اے نقاب نہ تھا

بیان کی جو شب غم کی بیکسی تو کہا

جگر میں درد نہ تھا دل میں اضطراب نہ تھا

وہ بیٹھے بیٹھے جو دے بیٹھے قتل عام کا حکم

ہنسی تھی ان کی کسی پر کوئی عتاب نہ تھا

جو لاش بھیجی تھی قاصد کی بھیجتے خط بھی

رسید وہ تو مرے خط کی تھی جواب نہ تھا

سرور قتل سے تھی ہاتھ پاؤں کو جنبش

وہ مجھ پہ وجد کا عالم تھا اضطراب نہ تھا

ثبات بحر جہاں میں نہیں کسی کو امیرؔ

ادھر نمود ہوا اور ادھر حباب نہ تھا

# مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا

یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

پس مرگ کاش یوں ہی مجھے وصل یار ہوتا

وہ سر مزار ہوتا میں تہہ مزار ہوتا

ترا مے کدہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی

مرا نشہ کیوں اترتا مجھے کیوں خمار ہوتا

میں ہوں نامراد ایسا کہ بلک کے یاس روتی

کہیں پا کے آسرا کچھ جو امیدوار ہوتا

نہیں پوچھتا ہے مجھ کو کوئی پھول اس چمن میں

دل داغدار ہوتا تو گلے کا ہار ہوتا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب

مرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

دم نزع بھی جو وہ بت مجھے آ کے منہ دکھاتا

تو خدا کے منہ سے اتنا نہ میں شرمسار ہوتا

نہ ملک سوال کرتے نہ لحد فشار دیتی

سر راہ کوئے قاتل جو مرا مزار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی

وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں

اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا

مری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیرؔ باقی

انہیں مرنے ہی کا اب تک نہیں اعتبار ہوتا

# نہ بے وفائی کا ڈر تھا نہ غم جدائی کا

نہ بے وفائی کا ڈر تھا نہ غم جدائی کا

مزا میں کیا کہوں آغاز آشنائی کا

کہاں نہیں ہے تماشا تری خدائی کا

مگر جو دیکھنے دے رعب کبریائی کا

وہ ناتواں ہوں اگر نبض کو ہوئی جنبش

تو صاف جوڑ جدا ہو گیا کلائی کا

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو

کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

یہ جوش حسن سے تنگ آئی ہے قبا ان کی

کہ بند بند ہے خواہاں گرہ کشائی کا

کمان ہاتھ سے رکھ صید گاہ عرفاں میں

کہ تیر صید ہے یاں دام نارسائی کا

وہ بد نصیب ہوں یار آئے میرے گھر تو بنے

سمٹ کے وصل کی شب تل رخ جدائی کا

ہزاروں کافر و مومن پڑے ہیں سجدے میں

بتوں کے گھر میں بھی سامان ہے خدائی کا

تمام ہو گئے ہم پہلے ہی نگاہ میں حیف

نہ رات وصل کی دیکھی نہ دن جدائی کا

نہیں ہے مہر لفافہ پہ خط کے اے قاصد

یہ داغ ہے مری قسمت کی نارسائی کا

نقاب ڈال کے اے آفتاب حشر نکل

خدا سے ڈر یہ کہیں دن ہے خود نمائی کا

نہیں قرار گھڑی بھر کسی کے پہلو میں

یہ ذوق ہے ترے ناوک کو دل ربائی کا

مری طرف سے کوئی جا کے کوہ کن سے کہے

نہیں نہیں یہ محل زور آزمائی کا

کہا جو میں نے کہ میں خاک راہ ہوں تیرا

تو بولے ہے ابھی پندار خود نمائی کا

جنوں جو میری طرف ہو وہ جست و خیز کروں

کہ دل ہو ٹوٹ کے ٹکڑے شکستہ پائی کا

امیرؔ روئیے اپنے نصیب کو ایسا

کہ ہو سپید سیہ ابر نارسائی کا

# ہم سر زلف قد حور شمائل ٹھہرا

ہم سر زلف قد حور شمائل ٹھہرا

لام کا خوب الف مد مقابل ٹھہرا

دیدۂ تر سے جو دامن میں گرا دل ٹھہرا

بہتے بہتے یہ سفینہ لب ساحل ٹھہرا

کی نظر روئے کتابی پہ تو کچھ دل ٹھہرا

مکتب شوق بھی قرآن کی منزل ٹھہرا

نگہت گل سے پریشان ہوا اس کا دماغ

خندۂ گل نہ ہوا شور عنادل ٹھہرا

نجد سے قیس جو آیا مرے زنداں کی طرف

دیر تک گوش بر آواز سلاسل ٹھہرا

حسن جس طفل کا چمکا وہ ہوا باعث قتل

جس نے تلوار سنبھالی مرا قاتل ٹھہرا

خط جو نکلا رخ جاناں پہ ملا بوسۂ خال

یہی دانہ فقط اس کشت کا حاصل ٹھہرا

علم اک نقطہ جو مشہور تھا اے جوش جنوں

غور سے کی جو نظر نقطۂ باطل ٹھہرا

دور جب تک تھے تڑپتا تھا میں کیسا کیسا

پاس آ کر وہ جو ٹھہرے تو مرا دل ٹھہرا

کثرت داغ سے گلدستہ بنا دل تو کیا

زینت باغ نہ آرائش محفل ٹھہرا

دوڑتا قیس بھی آتا ہے نہایت ہی قریب

اک ذرا ناقے کو اے صاحب محمل ٹھہرا

دم جو بیتاب تھا مدت سے مرے سینے میں

تیغ قاتل کے تلے کچھ دم بسمل ٹھہرا

ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہارا ہے یہ حال

گھر سے دروازے تک آنا کئی منزل ٹھہرا

اب تک آتی ہے صدا تربت لیلیٰ سے امیرؔ

ساربان اب تو خدا کے لیے محمل ٹھہرا

# وصل کی شب بھی خفا وہ بت مغرور رہا

وصل کی شب بھی خفا وہ بت مغرور رہا

حوصلہ دل کا جو تھا دل میں بدستور رہا

عمر رفتہ کے تلف ہونے کا آیا تو خیال

لیکن اک دم کی تلافی کا نہ مقدور رہا

جمع کس دن نہ ہوئے موسم گل میں میکش

روز ہنگامہ تہ سایۂ انگور رہا

گردش بخت کہاں سے ہمیں لائی ہے کہاں

منزلوں وادئ غربت سے وطن دور رہا

راست بازی کر اگر ناموری ہے درکار

دار سے خلق میں آوازۂ منصور رہا

وہ تو ہے چرخ چہارم پہ یہ پچ محلے پر

سچ ہے عیسیٰ سے بھی بالا ترا مزدور رہا

فصل گل آئی گئی صحن چمن میں سو بار

اپنے سر میں تھا جو سودا وہ بدستور رہا

جلوۂ برق تجلی نظر آیا نہ کبھی

مدتوں جا کے وہاں میں شجر طور رہا

زلف و رخ دونوں ہیں جانے سے جوانی کے خراب

مشک وہ مشک نہ کافور وہ کافور رہا

غول صحرا نے مرا ساتھ نہ چھوڑا شب بھر

لے کے مشعل کبھی نزدیک کبھی دور رہا

ہم بھی موجود تھے کل محفل جاناں میں امیرؔ

رات کو دیر تلک آپ کا مذکور رہا

# یارب شب وصال یہ کیسا گجر بجا

یارب شب وصال یہ کیسا گجر بجا

اگلے پہر کے ساتھ ہی پچھلا پہر بجا

آواز صور سن کے کہا دل نے قبر میں

کس کی برات آئی یہ باجا کدھر بجا

کہتے ہیں آسماں جو تمہارے مکاں کو ہم

کہتا ہے آفتاب درست اور قمر بجا

جاگو نہیں یہ خواب کا موقع مسافرو

نقارا تک بھی کوچ کا وقت سحر بجا

تعمیر مقبرے کی ہے لازم بجائے قصر

زر داروں سے کہو کہ کریں صرف زر بجا

ہیں ہم تو شادماں کہ ہے خط میں پیام وصل

بغلیں خوشی سے تو بھی تو اے نامہ بر بجا

تجھ کو نہیں جو ان سے محبت کہاں مجھے

تالی نہ ایک ہاتھ سے اے بے خبر بجا

نفرت ہے یہ خوشی سے کہ اشک اپنے گر پڑے

ہمراہ تعزیہ کے بھی باجا اگر بجا

جائے قیام منزل ہستی نہ تھی امیرؔ

اترے تھے ہم سرا میں کہ کوس سفر بجا

# پلا ساقیا ارغوانی شراب

پلا ساقیا ارغوانی شراب

کہ پیری میں دے نوجوانی شراب

وہ شعلہ ہے ساقی کہ رنجک کی طرح

اڑا دیتی ہے ناتوانی شراب

کہاں بادۂ عیش تقدیر میں

پیوں میں تو ہو جائے پانی شراب

نہ لایا ہے شیشہ نہ جام و سبو

پلاتا ہے ساقی زبانی شراب

کہاں عقل برنا کہاں عقل پیر

نئے سے ہے بہتر پرانی شراب

مرے چہرۂ زرد کے عکس سے

ہوئی ساقیا زعفرانی شراب

ہوئے مست دیکھا جو پھولوں کا رنگ

پیالوں میں تھی ارغوانی شراب

کہاں چشمۂ خضر کیسے خضر

خضر ہے مری زندگانی شراب

خضر ہوں اگر میں تو جا کر پیوں

سر چشمۂ زندگانی شراب

گلستاں ہے پھولوں سے کیا لال لال

چلے ساقیا ارغوانی شراب

عجب ساقیا گندمی رنگ ہے

کہ پرتو سے بنتی ہے دھانی شراب

رہے طاق پر پارسائی امیرؔ

پلائے جو وہ یار جانی شراب

# ہے خموشی ظلم چرخ دیو پیکر کا جواب

ہے خموشی ظلم چرخ دیو پیکر کا جواب

آدمی ہوتا تو ہم دیتے برابر کا جواب

جو بگولا دشت غربت میں اٹھا سمجھا یہ میں

کرتی ہے تعمیر دیوانی مرے گھر کا جواب

ساتھ خنجر کے چلے گی وقت ذبح اپنی زبان

جان دینے والے دیتے ہیں برابر کا جواب

سجدہ کرتا ہوں جو میں ٹھوکر لگاتا ہے وہ بت

پاؤں اس کا بڑھ کے دیتا ہے مرے سر کا جواب

ابر کے ٹکڑے نہ الجھیں میری موج اشک سے

خشک مغزوں سے ہے مشکل مصرعۂ تر کا جواب

وہ کھنچا تھا میں بھی کھنچ رہتا تو بنتی کس طرح

سر جھکا دیتا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب

جیتے جی ممکن نہیں اس شوخ کا خط دیکھنا

بعد میرے آئے گا میرے مقدر کا جواب

شیخ کہتا ہے برہمن کو برہمن اس کو سخت

کعبہ و بت خانہ میں پتھر ہے پتھر کا جواب

روز دکھلاتا ہے گردوں کیسی کیسی صورتیں

بت تراشی میں ہے یہ کافر بھی آذر کا جواب

ہر جگہ قبر گدا تکیے میں ہر جا گور شاہ

ایک گھر اس شہر میں ہے دوسرے گھر کا جواب

جلوہ گر ہے نور حق ہونے سے یکتائی امیرؔ

سایہ بھی ہوتا اگر ہوتا پیمبر کا جواب

# بات کرنے میں تو جاتی ہے ملاقات کی رات

بات کرنے میں تو جاتی ہے ملاقات کی رات

کیا بری بات ہے رہ جاؤ یہیں رات کی رات

ذرے افشاں کے نہیں کرمک شب تاب سے کم

ہے وہ زلف عرق آلود کہ برسات کی رات

زاہد اس زلف پھنس جائے تو اتنا پوچھوں

کہیے کس طرح کٹی قبلۂ حاجات کی رات

شام سے صبح تلک چلتے ہیں جام مے عیش

خوب ہوتی ہے بسر اہل خرابات کی رات

وصل چاہا شب معراج تو یہ عذر کیا

ہے یہ اللہ و پیمبر کی ملاقات کی رات

ہم مسافر ہیں یہ دنیا ہے حقیقت میں سرا

ہے توقف ہمیں اس جا تو فقط رات کی رات

چل کے اب سو رہو باتیں نہ بناؤ صاحب

وصل کی شب ہے نہیں حرف حکایات کی رات

لیلۃ القدر ہے وصلت کی دعا مانگ امیرؔ

اس سے بہتر ہے کہاں کوئی مناجات کی رات

# چاند سا چہرہ نور کی چتون ماشاء اللہ ماشاء اللہ

چاند سا چہرہ نور کی چتون ماشاء اللہ ماشاء اللہ

طرفہ نکالا آپ نے جوبن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

گل رخ نازک زلف ہے سنبل آنکھ ہے نرگس سیب زنخداں

حسن سے تم ہو غیرت گلشن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

ساقیٔ بزم روز ازل نے بادۂ حسن بھرا ہے اس میں

آنکھیں ہیں ساغر شیشہ ہے گردن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

قہر غضب ظاہر کی رکاوٹ آفت جاں در پردہ لگاوٹ

چاہ کی تیور پیار کی چتون ماشاء اللہ ماشاء اللہ

غمزہ اچکا عشوہ ہے ڈاکو قہر ادائیں سحر ہیں باتیں

چور نگاہیں ناز ہے رہزن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

نور کا تن ہے نور کے کپڑے اس پر کیا زیور کی چمک ہے

چھلے کنگن اکے جوشن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

جمع کیا ضدین کو تم نے سختی ایسی نرمی ایسی

موم بدن ہے دل ہے آہن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

واہ امیرؔ ایسا ہو کہنا شعر ہیں یا معشوق کا گہنہ

صاف ہے بندش مضموں روشن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

# دل جدا مال جدا جان جدا لیتے ہیں

دل جدا مال جدا جان جدا لیتے ہیں

اپنے سب کام بگڑ کر وہ بنا لیتے ہیں

ہو ہی رہتا ہے کسی بت کا نظارہ تا شام

صبح کو اٹھ کے جو ہم نام خدا لیتے ہیں

مجلس وعظ میں جب بیٹھتے ہیں ہم میکش

دختر رز کو بھی پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

ایسے بوسے کے عوض مانگتے ہیں دل کیا خوب

جی میں سوچیں تو وہ کیا دیتے ہیں کیا لیتے ہیں

اپنی محفل سے اٹھائے ہیں عبث ہم کو حضور

چپکے بیٹھے ہیں الگ آپ کا کیا لیتے ہیں

بت بھی کیا چیز ہیں اللہ سلامت رکھے

گالیاں دے کے غریبوں کی دعا لیتے ہیں

شاخ مرجاں میں جواہر نظر آتے ہیں امیرؔ

کبھی انگلی جو وہ دانتوں میں دبا لیتے ہیں

# کیا روکے قضا کے وار تعویذ

کیا روکے قضا کے وار تعویذ

قلعہ ہے نہ کچھ حصار تعویذ

چوٹی میں ہے مشک بار تعویذ

یا فتنۂ روزگار تعویذ

دونوں نے نہ درد دل مٹایا

گنڈے کا ہے رشتہ دار تعویذ

کیا نام علی میں بھی اثر ہے

چاروں ٹکڑے ہیں چار تعویذ

ڈرتا ہوں نہ صبح ہو شب وصل

ہے مہر وہ زرنگار تعویذ

ہم کو بھی ہو کچھ امید تسکیں

کھوئے جو تپ خیار تعویذ

پتاں کو جڑ ہماری پہنچی

گاڑا تہہ پائے یار تعویذ

حاجت نہیں ان کو نورتن کی

بازو پہ ہیں پانچ چار تعویذ

کھٹکے وہ نہ آئے فاتحے کو

دیکھا جو سر مزار تعویذ

پی جائیں گے گھول کر کسے آپ

ہے نقش نہ خاکسار تعویذ

اے ترک ٹلیں بلائیں سر سے

اک تیغ کا خط ہزار تعویذ

ڈر ہے تمہیں کنکنوں سے لازم

لایا تو ہے سادہ کار تعویذ

اکسیر کا نسخہ اس کو سمجھوں

کھوئے جو ترا غبار تعویذ

مجمع ہے امیرؔ کی لحد پر

میلے کا ہے اشتہار تعویذ

# چپ بھی ہو بک رہا ہے کیا واعظ

چپ بھی ہو بک رہا ہے کیا واعظ

مغز رندوں کا کھا گیا واعظ

تیرے کہنے سے رند جائیں گے

یہ تو ہے خانۂ خدا واعظ

اللہ اللہ یہ کبر اور یہ غرور

کیا خدا کا ہے دوسرا واعظ

بے خطا میکشوں پہ چشم غضب

حشر ہونے دے دیکھنا واعظ

ہم ہیں قحط شراب سے بیمار

کس مرض کی ہے تو دوا واعظ

رہ چکا میکدے میں ساری عمر

کبھی مے خانے میں بھی آ واعظ

ہجو مے کر رہا تھا منبر پر

ہم جو پہنچے تو پی گیا واعظ

دخت رز کو برا مرے آگے

پھر نہ کہنا کبھی سنا واعظ

آج کرتا ہوں وصف مے میں امیرؔ

دیکھوں کہتا ہے اس میں کیا واعظ

# ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں کمر کے عاشق

ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں کمر کے عاشق

نہ ادھر کے ہیں الٰہی نہ ادھر کے عاشق

ہے وہی آنکھ جو مشتاق ترے دید کی ہو

کان وہ ہیں جو رہیں تیری خبر کے عاشق

جتنے ناوک ہیں کماندار ترے ترکش میں

کچھ مرے دل کے ہیں کچھ میرے جگر کے عاشق

برہمن دیر سے کعبے سے پھر آئے حاجی

تیرے در سے نہ سرکنا تھا نہ سرکے عاشق

آنکھ دکھلاؤ انہیں مرتے ہوں جو آنکھوں پر

ہم تو ہیں یار محبت کی نظر کے عاشق

چھپ رہے ہوں گے نظر سے کہیں عنقا کی طرح

توبہ کیجے کہیں مرتے ہیں کمر کے عاشق

بے جگر معرکۂ عشق میں کیا ٹھہریں گے

کھاتے ہیں خنجر معشوق کے چرکے عاشق

تجھ کو کعبہ ہو مبارک دل ویراں ہم کو

ہم ہیں زاہد اسی اجڑے ہوئے گھر کے عاشق

کیا ہوا لیتی ہیں پریاں جو بلائیں تیری

کہ پری زاد بھی ہوتے ہیں بشر کے عاشق

بے کسی درد و الم داغ تمنا حسرت

چھوڑے جاتے ہیں پس مرگ یہ ترکے عاشق

بے سبب سیر شب ماہ نہیں ہے یہ امیرؔ

ہو گئے تم بھی کسی رشک قمر کے عاشق

# اس کی حسرت ہے جسے دل سے مٹا بھی نہ سکوں

اس کی حسرت ہے جسے دل سے مٹا بھی نہ سکوں

ڈھونڈنے اس کو چلا ہوں جسے پا بھی نہ سکوں

ڈال کے خاک میرے خون پہ قاتل نے کہا

کچھ یہ مہندی نہیں میری کہ چھپا بھی نہ سکوں

ضبط کمبخت نے یاں آ کے گلا گھونٹا ہے

کہ اسے حال سناؤں تو سنا بھی نہ سکوں

نقش پا دیکھ تو لوں لاکھ کروں گا سجدے

سر مرا عرش نہیں ہے جو جھکا بھی نہ سکوں

بے وفا لکھتے ہیں وہ اپنے قلم سے مجھ کو

یہ وہ قسمت کا لکھا ہے جو مٹا بھی نہ سکوں

اس طرح سوئے ہیں سر رکھ کے میرے زانو پر

اپنی سوئی ہوئی قسمت کو جگا بھی نہ سکوں

# شمشیر ہے سناں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

شمشیر ہے سناں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

اک جان ناتواں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

مہمان ادھر ہما ہے ادھر ہے سگ حبیب

اک مشت استخواں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

درباں ہزار اس کے یہاں ایک نقد جاں

مال اس قدر کہاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

بلبل کو بھی ہے پھولوں کی گلچیں کو بھی طلب

حیران باغباں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

سب چاہتے ہیں اس سے جو وعدہ وصال کا

کہتا ہے وہ زباں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

شہزادی دخت رز کے ہزاروں ہیں خواست گار

چپ مرشد مغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

یاروں کو بھی ہے بوسے کی غیروں کو بھی طلب

ششدر وہ جان جاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

دل مجھ سے مانگتے ہیں ہزاروں حسیں امیرؔ

کتنا یہ ارمغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

# کچھ خار ہی نہیں مرے دامن کے یار ہیں

کچھ خار ہی نہیں مرے دامن کے یار ہیں

گردن میں طوق بھی تو لڑکپن کے یار ہیں

سینہ ہو کشتگان محبت کا یا گلا

دونوں یہ تیرے خنجر آہن کے یار ہیں

خاطر ہماری کرتا ہے دیر و حرم میں کون

ہم تو نہ شیخ کے نہ برہمن کے یار ہیں

کیا پوچھتا ہے مجھ سے نشاں سیل و برق کا

دونوں قدیم سے مرے خرمن کے یار ہیں

کیا گرم ہیں کہ کہتے ہیں خوبان لکھنؤ

لندن کو جائیں وہ جو فرنگن کے یار ہیں

وہ دشمنی کریں تو کریں اختیار ہے

ہم تو عدو کے دوست ہیں دشمن کے یار ہیں

کچھ اس چمن میں سبزۂ بیگانہ ہم نہیں

نرگس کے دوست لالہ و سوسن کے یار ہیں

کانٹے ہیں جتنے وادئ غربت کے اے جنوں

سب آستیں کے جیب کے دامن کے یار ہیں

گم گشتگی میں راہ بتاتا ہے ہم کو کون

ہے خضر جن کا نام وہ رہزن کے یار ہیں

چلتے ہیں شوق برق تجلی میں کیا ہے خوف

چیتے تمام وادیٔ ایمن کے یار ہیں

پیری مجھے چھڑاتی ہے احباب سے امیرؔ

دنداں نہیں یہ میرے لڑکپن کے یار ہیں

# گلے میں ہاتھ تھے شب اس پری سے راہیں تھیں

گلے میں ہاتھ تھے شب اس پری سے راہیں تھیں

سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ نگاہیں تھیں

نکل کے چہرے پہ میدان صاف خط نے کیا

کبھی یہ شہر تھا ایسا کہ بند راہیں تھیں

فراق میں ترے عاشق کو جا کے کل دیکھا

کہ وہ تو ہیچ تھا کچھ اشک تھے کچھ آہیں تھیں

بگولے اب ہیں کہ غربت ہے گور شاہاں پر

سروں پہ چتر جلو میں کبھی سپاہیں تھیں

ہزاروں لوٹ گئے کل اٹھی جو وہ چلمن

خدنگ موئے مژہ برچھیاں نگاہیں تھیں

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ

وگرنہ ربط کی اس سے ہزار راہیں تھیں

یہ ضعف ہے کہ نکلتی نہیں ہیں اب دل سے

کبھی فلک سے بھی اونچی ہماری آہیں تھیں

جگر میں ہجر کی کل چبھ رہی تھیں کچھ پھانسیں

مگر جو غور سے دیکھا تری نگاہیں تھیں

پہنچ گئے سر منزل چلے جو چال نئی

انہیں میں پھیر تھا دیکھی ہوئی جو راہیں تھیں

فلک کے دور سے دنیا بدل گئی ورنہ

جہاں بنے ہیں یہ مے خانے خانقاہیں تھیں

یہ ضعف اب ہے کہ ہلنا گراں ہے قدموں کو

سبک روی میں کبھی ان کو دستگاہیں تھیں

مشاعرے سے حسیں کیوں نہ چھین لے جاتے

رباعیاں مری چو گو شبہ کلاہیں تھیں

حسین زر کے ہیں طالب کہ اب ہیں گرد امیرؔ

غریب ہم تھے تو یہ پیار تھا نہ چاہیں تھیں

# ہٹاؤ آئنہ امیدوار ہم بھی ہیں

ہٹاؤ آئنہ امیدوار ہم بھی ہیں

تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں

تڑپ کے روح یہ کہتی ہے ہجر جاناں میں

کہ تیرے ساتھ دل بے قرار ہم بھی ہیں

رہے دماغ اگر آسماں پہ دور نہیں

کہ تیرے کوچہ میں مست غبار ہم بھی ہیں

کہو کہ نخل چمن ہم سے سرکشی نہ کریں

انہیں کی طرح سے باغ و بہار ہم بھی ہیں

ہمارے آگے ذرا ہو سمجھ کے زمزمہ سنج

کہ ایک نغمہ سرا اے ہزار ہم بھی ہیں

کہاں تک آئنے میں دیکھ بھال ادھر دیکھو

کہ اک نگاہ کے امیدوار ہم بھی ہیں

شراب منہ سے لگاتے نہیں ہیں اے زاہد

فراق یار میں پرہیزگار ہم بھی ہیں

ہمارا نام بھی لکھ لو جو ہے قلم جاری

قدیم آپ کے خدمت گزار ہم بھی ہیں

ہما ہیں گرد مری ہڈیوں کے آٹھ پہر

سگ آ کے کہتے ہیں امیدوار ہم بھی ہیں

جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے

امیرؔ مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

# ہم جو مست شراب ہوتے ہیں

ہم جو مست شراب ہوتے ہیں

ذرے سے آفتاب ہوتے ہیں

ہے خرابات صحبت واعظ

لوگ ناحق خراب ہوتے ہیں

کیا کہیں کیسے روز و شب ہم سے

عمل ناثواب ہوتے ہیں

بادشہ ہیں گدا، گدا سلطان

کچھ نئے انقلاب ہوتے ہیں

ہم جو کرتے ہیں مے کدے میں دعا

اہل مسجد کو خواب ہوتے ہیں

وہی رہ جاتے ہیں زبانوں پر

شعر جو انتخاب ہوتے ہیں

کہتے ہیں مست رند سودائی

خوب ہم کو خطاب ہوتے ہیں

آنسوؤں سے امیرؔ ہیں رسوا

ایسے لڑکے عذاب ہوتے ہیں

# دل جو سینے میں زار سا ہے کچھ

دل جو سینے میں زار سا ہے کچھ

غم سے بے اختیار سا ہے کچھ

رخت ہستی بدن پہ ٹھیک نہیں

جامۂ مستعار سا ہے کچھ

چشم نرگس کہاں وہ چشم کہاں

نشہ کیسا خمار سا ہے کچھ

نخل امید میں نہ پھول نہ پھل

شجر بے بہار سا ہے کچھ

ساقیا ہجر میں یہ ابر نہیں

آسماں پر غبار سا ہے کچھ

کل تو آفت تھی دل کی بیتابی

آج بھی بے قرار سا ہے کچھ

مردہ ہے دل تو گور ہے سینہ

داغ شمع مزار سا ہے کچھ

اس کو دنیا کی اس کو خلد کی حرص

رند ہے کچھ نہ پارسا ہے کچھ

پہلے اس سے تھا ہوشیار امیرؔ

اب تو بے اختیار سا ہے کچھ

# سرکتی جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ

سرکتی جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ

نکلتا آ رہا ہے آفتاب آہستہ آہستہ

جواں ہونے لگے جب وہ تو ہم سے کر لیا پردہ

حیا یک لخت آئی اور شباب آہستہ آہستہ

شب فرقت کا جاگا ہوں فرشتو اب تو سونے دو

کبھی فرصت میں کر لینا حساب آہستہ آہستہ

سوال وصل پر ان کو عدو کا خوف ہے اتنا

دبے ہونٹوں سے دیتے ہیں جواب آہستہ آہستہ

وہ بے دردی سے سر کاٹیں امیرؔ اور میں کہوں ان سے

حضور آہستہ آہستہ جناب آہستہ آہستہ

# ہوا جو پیوند میں زمیں کا تو دل ہوا شاد مجھ حزیں کا

ہوا جو پیوند میں زمیں کا تو دل ہوا شاد مجھ حزیں کا

بس اب ارادہ نہیں کہیں کا کہ رہنے والا ہوں میں یہیں کا

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

عجب مرقع ہے باغ دنیا کہ جس کا صانع نہیں ہویدا

ہزارہا صورتیں ہیں پیدا پتہ نہیں صورت آفریں کا

ہوائے مے میں ہوں محو ایسا چمن میں گھر کر جو ابر آیا

سیاہ مستی میں میں یہ سمجھا جہاز ہے آب آتشیں کا

امیرؔ دیکھا جو اس کا نقش تو نقش یوسف کا دل سے اترا

کہ نقش ثانی کے آگے ہوتا فروغ کیا نقش اولیں کا

# اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو

اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو

دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو

مدت میں شام وصل ہوئی ہے مجھے نصیب

دو چار سال تک تو الٰہی سحر نہ ہو

اک پھول ہے گلاب کا آج ان کے ہاتھ میں

دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کسی کا جگر نہ ہو

ڈھونڈے سے بھی نہ معنی باریک جب ملا

دھوکا ہوا یہ مجھ کو کہ اس کی کمر نہ ہو

الفت کی کیا امید وہ ایسا ہے بے وفا

صحبت ہزار سال رہے کچھ اثر نہ ہو

طول شب وصال ہو مثل شب فراق

نکلے نہ آفتاب الٰہی سحر نہ ہو

# ہنس کے فرماتے ہیں وہ دیکھ کے حالت میری

ہنس کے فرماتے ہیں وہ دیکھ کے حالت میری

کیوں تم آسان سمجھتے تھے محبت میری

بعد مرنے کے بھی چھوڑی نہ رفاقت میری

میری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری

میں نے آغوش تصور میں بھی کھینچا تو کہا

پس گئی پس گئی بے درد نزاکت میری

آئینہ صبح شب وصل جو دیکھا تو کہا

دیکھ ظالم یہ تھی شام کو صورت میری

یار پہلو میں ہے تنہائی ہے کہہ دو نکلے

آج کیوں دل میں چھپی بیٹھی ہے حسرت میری

حسن اور عشق ہم آغوش نظر آ جاتے

تیری تصویر میں کھنچ جاتی جو حیرت میری

کس ڈھٹائی سے وہ دل چھین کے کہتے ہیں امیرؔ

وہ مرا گھر ہے رہے جس میں محبت میری

# وعدۂ وصل اور وہ کچھ بات ہے

وعدۂ وصل اور وہ کچھ بات ہے

ہو نہ ہو اس میں بھی کوئی گھات ہے

خلق ناحق درپئے اثبات ہے

ہے دہن اس کا کہاں اک بات ہے

بوسۂ چاہ زنخداں غیر لیں

ڈوب مرنے کی یہ اے دل بات ہے

گھر سے نکلے ہو نہتے وقت قتل

یہ بھی بہر قتل عاشق گھات ہے

میں نے اتنا ہی کہا بنواؤ خط

یہ بگڑنے کی بھلا کیا بات ہے

بعد مدت بخت جاگے ہیں مرے

بیٹھے ہیں سونے کو ساری رات ہے

کیا کروں وصف بتان خودپسند

ان سے بڑھ کر بس خدا کی ذات ہے

باتوں باتوں میں جو میں کچھ کہہ گیا

ہنس کے فرمانے لگے کیا بات ہے

حرف مطلب صاف کہہ سکتا نہیں

ہے ادب مانع کہ پہلی رات ہے

مجھ سے ہو اظہار الفت واہ وا

آپ کے فرمانے کی یہ بات ہے

رو رہے ہیں ہم ملا دے لب سے لب

مے کشی ہو ساقیا برسات ہے

زچ ہے تیری چال سے رفتار چرخ

مہر رخ سے بازیٔ مہ مات ہے

کیسی کٹتی ہے سیہ بختی میں عمر

رات سے دن دن سے بد تر رات ہے

چھیڑتا ہے دل کو کیا اے درد ہجر

خود گرفتار ہزار آفات ہے

اے غنی دے سیم و زر وقت بلا

مال دنیا جان کی خیرات ہے

گر جگہ دل میں نہیں پھر اس سے کیا

یہ دوشنبے کی یہ بدھ کی رات ہے

صاف کہہ دے تو یہاں آیا نہ کر

یار یہ سو بات کی اک بات ہے

لخت دل ہیں میرے کھانے کو امیرؔ

بس انہیں ٹکڑوں پہ اب اوقات ہے